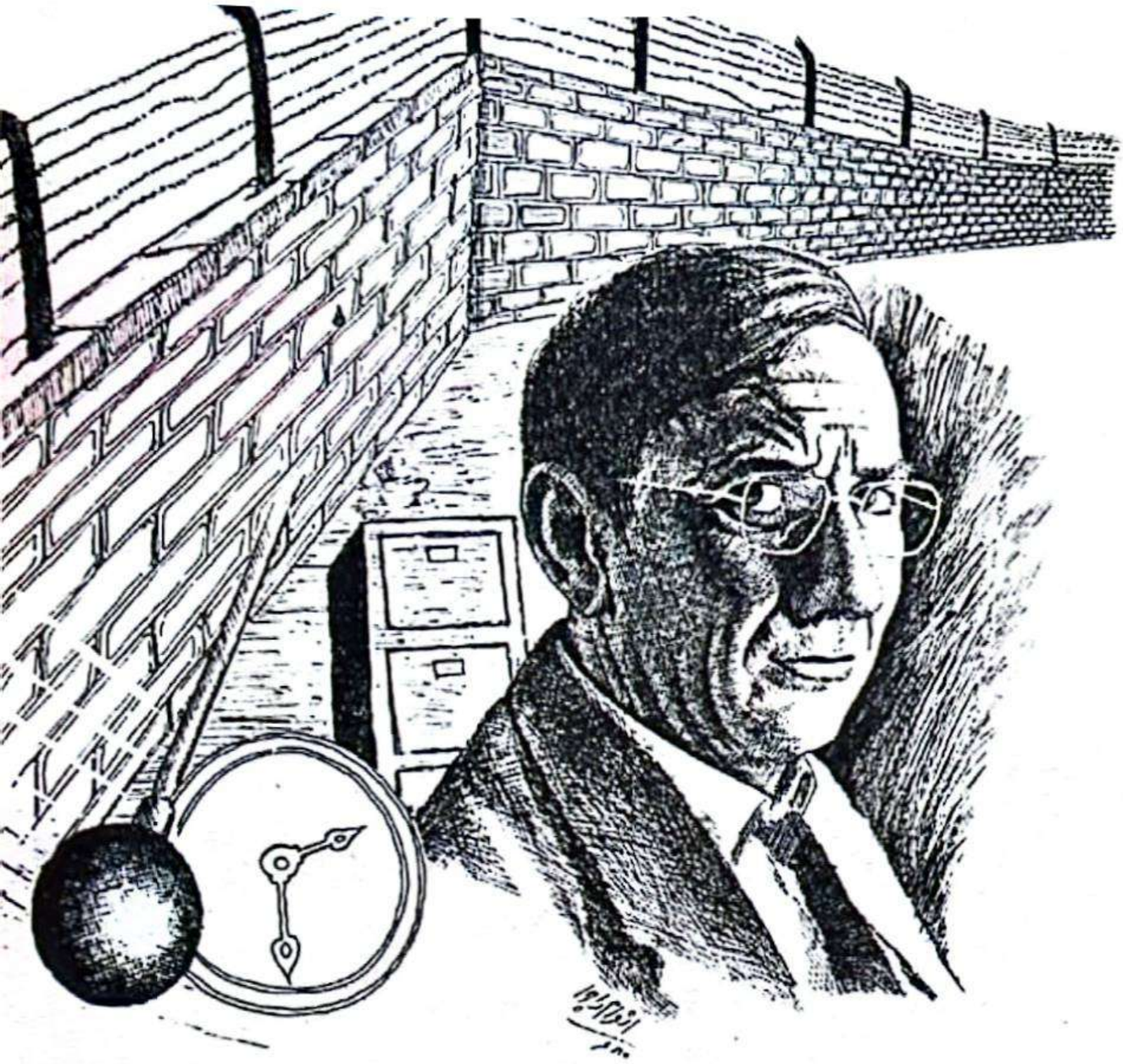

Https://www.facebook.com/groups/372605677178945/

توشۂ خاص ○ چوتھا رنگ

ایک جیلر وارڈن کا قصہ، اپنا رکھا سہما اثاثہ وہ خود تھا
امریکہ سے ایک کینہ زہریلا تحریر
جیکب سن رینالڈ ○ محمود احمد مودی

برف باری شروع ہو چکی تھی۔ جیل کی چار دیواری میں برف کے ذرے دھنکی ہوئی روئی کی طرح اڑ رہے تھے۔ چار بجے کا عمل تھا مگر اندھیرے کی وجہ سے بتیاں جلانی پڑیں۔ میں نے کھڑکی سے باہر کا دلچسپ منظر دیکھا اور اپنی کرسی پر آ بیٹھا۔ میرے ریوالور میں پوری چھ گولیاں تھیں۔ گولی تو ایک ہی کافی تھی مگر میں نے احتیاطاً ریوالور بھر لیا تھا۔

دفعتہً فون کی گھنٹی بجی۔ میں نے ریسیور اٹھایا۔ میرے سیکرٹری نے اطلاع دی کہ "سر! آپ کے نائب میٹنگ کے لیے آ گئے ہیں۔" میں جیل کا نگراں تھا۔ نائب نگراں کے ساتھ روزانہ میری دفتری میٹنگ ہوتی تھی۔ میں نے فرالے کو اپنے کمرے میں بلا لیا۔ آج میری مدتِ ملازمت ختم ہونے والی تھی۔ کل سے میرا عہدہ فرالے کو سنبھالنا تھا۔ فرالے میرے اشارے پر سامنے بیٹھ گیا اور چند لمحوں تک خاموشی سے مجھے دیکھتا رہا۔ میں نے مسکرا کے پوچھا: "کوئی خاص بات فرالے؟"

"جی نہیں سر! آج تبادلۂ خیال کے لیے کوئی خاص بات نہیں ہے۔" فرالے نے کہا: "ہاں جیل کا ایک محافظ مستعفی ہونا چاہتا ہے۔"

"کارسن کی بات کر رہے ہو؟" میں نے اثبات میں سر ہلایا۔

"وہ مجھے بتا چکا ہے۔ استعفے کی وجہ وہی ہے جو محافظ لوگ اکثر بیان کرتے ہیں۔ یعنی یہی کام وہ کہیں اور کریں تو دگنی تنخواہ ملے گی۔"

فرالے نے مجھ سے اجازت طلب کی اور سگار سلگایا۔ میرے سیکرٹری نے کافی بھجوا دی تھی۔ دفعتہً فرالے کو کچھ یاد آ گیا۔ "سر! نیکی نے دوبارہ بھوک ہڑتال کر دی ہے۔"

"فکر نہ کرو۔" میں نے تسلی دی۔ "کسی قیدی کی بھوک ہڑتال دو تین دن سے زیادہ نہیں چلتی۔ چھپائی ہوئی چاکلیٹیں ختم ہوتے ہی بھوک ہڑتال بھی ملتوی ہو جاتی ہے۔" یہ بات فرالے بھی جانتا تھا۔ اس نے میری

Https://www.facebook.com/groups/372605677178945/

ناپید کی۔ جیل میں سانس لینے والے ہر ذی روح کی عادتوں سے میری طرح وہ بھی خوب واقف تھا۔

کیا فرالے میری جگہ آکر شام کی یہ دفتری میٹنگ ترک کر دے گا؟ میٹنگ میں کوئی اہم معاملہ شاذ و نادر ہی زیرِ بحث آتا تھا تاہم مجھے دن بھر کی مصروفیات کے بعد یہ میٹنگ بہت اچھی لگتی تھی۔ میں اس بارے میں فرالے سے پوچھنے والا تھا پھر خیال آیا، وہ میرا یہ استفسار کہیں اپنے معاملات میں مداخلت تصور نہ کرے۔ میرا سیکریٹری بھی کمرے میں آگیا اور ہمارے لیے کافی انڈیلنے لگا۔ اُس کے بال بھی یہاں نوکری کرتے کرتے سفید ہو چکے تھے مگر سیکریٹری کا کام کرنے والوں کے لیے سبک دوشی کی کوئی عمر مقرر نہیں تھی۔

فرالے نے کافی کا ایک گھونٹ لیا اور کرسی سے سر ٹکا کے کہا۔

"سر! آپ یہاں سے جا رہے ہیں۔ ہم سب کو بہت ملال ہے مگر ایک خوشی بھی ہے۔ آئندہ ہفتے اِس وقت آپ کھلی فضا میں ہوں گے۔ کسی ایسے علاقے میں جہاں سورج پوری توانائی سے چمکتا ہوگا اور یہاں کی طرح کثرت سے برف نہیں پڑتی ہوگی۔"

میں کوئی جواب نہ دے سکا۔ گزشتہ دنوں فلوریڈا، کیلی فورنیا اور نیو میکسیکو کے متعلق میں نے سیاحتی کتابچے نہایت ذوق و شوق سے پڑھے تھے اور حسرت سے سوچا تھا کہ چمکیلی دھوپ میں سانس لیے مجھے کتنے برس گزر گئے ہیں۔ مچھلی کا شکار کھیلے مدتیں بیت گئی ہیں۔ کم سے کم بیس برس تو ہو ہی چکے ہیں۔ بیس برس پہلے میرے بھانجے نے کالج جانا شروع کیا تھا۔ میری آنکھیں کھڑکی کے باہر وسیع و عریض وارڈن ہاؤس کا ہیولا تکنے لگیں، اب جیل کے احاطے میں یہ واحد قامت گاہ رہ گئی تھی۔ چودہ برس قبل میری ترقی ہوئی تھی، جیل کے اعلا نگراں کی حیثیت سے میں وارڈن ہاؤس میں منتقل ہوا تھا۔ وارڈن ہاؤس اونچی اونچی چھتوں والے درجنوں کمروں پر مشتمل تھا۔ ان پُر ہول کمروں نے تنہائی کی اذیت بہت بڑھا دی تھی۔ میرے دفتر سے ملحق ایک چھوٹا سا کمرہ فائلیں وغیرہ رکھنے کے کام آتا تھا۔ گزشتہ ہفتے اتفاق سے وہ خالی ہو گیا، میں فوراً وارڈن ہاؤس چھوڑ کے اُس میں آگیا۔ صرف ایک بستر، ایک تپائی اور ایک الماری سے یہ مختصر کمرہ بھرا بھرا نظر آتا تھا۔ یہاں مجھے ڈسنے کے لیے بے رنگ و بو وسعتیں نہیں تھیں۔ میں نے سکھ کی سانس لی۔ جیل کے قواعد و ضوابط از سرِ نو پڑھنے سے معلوم ہوا کہ اگر میں نائب نگراں کو وارڈن ہاؤس میں رہنے کی اجازت دے دوں تو کوئی قباحت نہیں ہے۔ میں نے یہی کیا۔ فرالے کسی تاخیر کے بغیر اپنے بیوی بچوں سمیت وارڈن ہاؤس میں منتقل ہو گیا۔ اُس کا پورا کنبہ میرا ممنون تھا۔ کافی کی حرارت مجھے خیالوں کی دنیا سے کھینچ لائی۔ فرالے! آج میں کچھ اعداد و شمار دیکھ رہا تھا۔ ایک دلچسپ حقیقت سامنے آئی۔ عمر قید بھگتنے والے مجرموں کی اوسط زندگی باہر کے آدمیوں کی زندگی سے چھ برس زیادہ ہوتی ہے۔"

فرالے مسکرایا۔ "اِس کی وجوہ واضح ہیں سر! یہاں ہر کام کے اوقات معین ہیں، قیدیوں کو ورزش کرائی جاتی ہے اور خوراک حفظانِ صحت کے اصولوں کے مطابق ملتی ہے، طبی سہولتیں بھی میسر ہیں اور کسی کو صحت خراب کرنے والی بُری عادتوں کا موقع نہیں دیا جاتا۔"

"عمر میں چھ سال کا اضافہ۔" میں نے دھیمے سے کہا۔ "یہ سزا ہے یا انعام؟" اِس سے پہلے کہ فرالے کچھ بولتا، فون پر اطلاع ملی کہ نئے قیدیوں کو لے کر گاڑی پہنچ گئی ہے۔ میں نے ریسیور رکھ کے فرالے کو بتایا۔ "گاڑی آگئی ہے۔"

فرالے نے دلچسپی سے پوچھا۔ "کیا قیدیوں میں ٹرگین بھی شامل ہے؟"

"ہاں۔" میں نے جواب دیا۔

ٹرگین ایک مالی تھا۔ ایک روز اُس کے اندر کا درندہ جاگ اُٹھا۔ ٹرگین اپنے مالک کے گھر میں گھس گیا۔ اُس نے میاں بیوی اور اُن کے تین بچوں کو رسیوں سے جکڑ دیا۔ وہ گھر لوٹنے کا ارادہ رکھتا تھا مگر اُسے خاطر خواہ نقدی نہیں ملی۔ اُس نے جھنجلا کے سب کو گولی مار دی، ننھے بچوں کو بھی۔ فرالے بولا۔ "سر! ایسے شقی القلب مجرموں کے لیے سزائے موت کا قانون برقرار رہنا چاہیے تھا۔" میں خاموش رہا۔ فرالے نے سگار کا ایک کش لیا۔ "پرانے دور میں ہر سنگین جرم پر موت کی سزا دی جاتی تھی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ وہ طریقہ اچھا تھا لیکن جب سے موت کی سزا متروک ہوئی ہے، ہر مجرم پہلے والوں سے زیادہ دہشت انگیزی دکھاتا ہے اور درندگی میں ماضی کے ہر مجرم پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتا ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ اب موت کی سزا نہیں ملتی، خواہ کوئی کچھ بھی کر گزرے۔"

"کیا تمھاری رائے میں ٹرگین کو موت کی سزا ملنی چاہیے تھی؟" میں نے اُس کی طرف دیکھے بغیر پوچھا۔

"اُسی کو نہیں سر! آدھے درجن اور حیوانوں کو بھی ملنی چاہیے تھی جنھیں ہم نہایت شفقت سے جیل میں پال رہے ہیں۔" فرالے نے کافی کا کپ خالی کر دیا۔ "کیا خیال ہے سر! ذرا جیل کے ایک نظر ٹرگین کو دیکھیں؟"

میں نے آمادگی سے سر ہلایا۔

ہم نے اپنے اوور کوٹ اُٹھائے اور برف کی بوچھار سے بچتے بچاتے استقبالی عمارت کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں نئے قیدیوں کے متعلق ساری تفصیلات درج کی جاتی تھیں، اُن کا طبی معائنہ ہوتا تھا، اُنھیں مختلف بیماریوں کے دفاعی ٹیکے لگائے جاتے تھے اور اُن کی ذہنی حالت جانچی جاتی تھی۔ ہم وہاں پہنچے۔ قیدی ایک دیوار کے ساتھ

telegram link https://t.me/+I_Fxda8LnVViOGU0

قطار میں کھڑے تھے۔ میں اور فرالے کارروائی کا جائزہ لینے لگے۔ ٹریگن دراز قد اور چمکیلی آنکھوں والا ایک ادھیڑ آدمی تھا۔ میں نے اُسے آدمی مجبوراً کہا ہے ورنہ اُس کی آنکھوں میں آدمیت کی رمق تک نہیں تھی۔ گھڑیال نے ساڑھے چار کا اعلان کیا۔ مجھے یاد آیا کہ میری سبک دوشی قریب تر آ رہی ہے۔ ٹریگن کو ایکس بلاک کی آخری کوٹھری الاٹ کی جا رہی تھی۔ میں نے اُس کی طرف سے نظر ہٹالی اور ایک نوجوان محافظ کو دیکھنے لگا، وہ بیزاری سے جماہی لے رہا تھا۔ اُس کے چہرے پر جوانی کی چمک تھی۔ تیئیس برس پہلے میں نے ملازمت کا آغاز کیا تھا تو میری عمر بھی یہی ہوگی، مجھے بھی محافظ بھرتی کیا گیا تھا۔ شروع میں یہاں کی اونچی دیواروں اور مہیب سایوں سے مجھے بھی بہت وحشت ہوتی تھی۔ لوہے کی سلاخوں سے جھانکتے ہوئے چہرے مجھے اچھے نہیں لگتے تھے۔ یہ چار دیواری ایک جزیرہ محسوس ہوتی تھی، ساری دُنیا سے کٹا ہوا ایک جزیرہ مگر میں نوکری جاری رکھنے پر مجبور تھا کیونکہ اُن دِنوں بے روزگاری عام تھی۔ میری ملازمت کو تین برس گزرے تھے کہ میرے بہنوئی مر گئے۔ میں ایک ہفتے کی چھٹی لے کے اپنی بیوہ بہن مارگریٹ کے پاس شمالی امریکہ پہنچا۔ شوہر کی وفات کے بعد مارگریٹ تین چھوٹے چھوٹے بچوں کے ساتھ بے یار و مددگار رہ گئی تھی۔ میں نے وہیں کوئی ملازمت ڈھونڈنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ مارگریٹ کو شوہر کے بیمے کی رقم ماہانہ قسطوں میں ملتی تھی۔ تین بچوں کی پرورش اور تعلیم کے لیے یہ سہارا ناکافی تھا چنانچہ مجھے ملازمت پر واپس آنا پڑا۔ میں اپنی تنخواہ کا بیشتر حصہ بچوں کے لیے بھیجنے لگا۔ مجھے جیل کا نگراں بنے چودہ برس بیت چکے تھے۔ اس طویل سفر میں میرا زادِ راہ صرف ایک بستر اور دو ٹرنکوں پر مشتمل رہا تھا پھر بھی مجھے خوشی تھی کہ آج میرا ایک بھانجا لیفٹیننٹ کرنل ہے، دوسرا بھانجا ڈاکٹر ہے اور بھانجی کی شادی کینیڈا کے ایک نوجوان تاجر سے ہو چکی ہے۔ مارگریٹ اب اُسی کے ساتھ کینیڈا میں رہتی تھی۔ یہ اچھا جوان لہو پیاسے لمحے پی گئے تھے لیکن پھل اچھا آیا تھا۔

قیدی کوٹھریوں میں منتقل کیے جانے لگے۔ میں اور فرالے ٹہلتے ہوئے باہر آ گئے۔ ٹریگن کو ایکس بلاک کی طرف لے جایا جا رہا تھا۔ وہاں اُسے اپنی باقی زندگی چھ اضافی برسوں کے ساتھ گزارنی تھی۔ ایکس بلاک میں زیادہ تر عمر رسیدہ قیدی رہتے تھے، اُن کی آنکھیں دُھندلا گئی تھیں اور وہ کوئی کام کرنے کے قابل نہیں رہے تھے۔ کوٹھریوں میں پڑے پڑے وہ ریڈیو سنتے رہتے یا موٹی عینکوں سے پرانے اخبارات چاٹتے رہتے۔ زندگی اُن کے لیے دو وقت کے کھانے کی درمیانی مدت کے سوا کچھ نہیں تھی۔

فرالے نے گھڑی دیکھی۔ چند منٹ میں میری ملازمت ختم ہونے والی تھی۔ میں مڑنے کے بجائے ٹہلتا ہوا کوٹھریوں کے درمیان آگے بڑھتا رہا۔ ان راستوں پر برسوں میری چاپ گونجی تھی۔ کوٹھریوں میں بند چہرے برسوں سے میرے لیے مانوس تھے۔ یہاں میں نے ہنسنے، رونے، گانے اور مناجات پڑھنے کی آوازیں سنی تھیں۔ کئی قیدی مجھے قابلِ رحم بھی معلوم ہوتے تھے، انھوں نے جذبات کی ستم ظریفی سے شکست کھا کر کسی کی سانسیں چھین لی تھیں اور اب وہ اپنے یک لمحاتی فیصلے پر پشیمان تھے۔ اُن کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا رہتا تھا۔ وہ سزا کی طوالت سے نہیں ضمیر کی طاقت سے خوف زدہ ہو کر روتے چلاتے تھے۔ فرالے کوٹھریوں کے سرے پر آہنی دروازے کے پاس کھڑا رہ گیا تھا، وہاں کے محافظ اُس سے باتیں کر رہے تھے۔ ٹریگن میرے سامنے والی آخری کوٹھری میں قفل کیا جا چکا تھا اور سلاخوں پر ہاتھ جما کے اُن کے درمیان چہرہ جما کے وحشی نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ میں ٹہلتے ٹہلتے اُس کے قریب چلا گیا۔ "ٹریگن! شاید سزا کاٹنے سے تمھارے ضمیر کا بوجھ ہلکا ہو جائے۔" میں نے سرسری لہجے میں کہا۔

کیسا بوجھ؟ ہُنہہ۔" اُس نے فرش پر تھوک دیا۔ "وہ میرے مالک بنے ہوئے تھے اور مجھے زندہ رہنے کا حق نہیں دیتے تھے۔ میں اُن سے زیادہ محنت کرتا تھا پھر بھی میرے پاس وافر پیسے کبھی جمع نہ ہو سکے ورنہ میں بھی لاس ویگاس یا نیویارک جا کے زندگی کا لطف اُٹھاتا۔"

"گویا تم نے صرف لطف کی خاطر انھیں مار ڈالا؟ ننھے منے بچوں کو بھی؟"

"لوگ تو اِس سے بھی معمولی باتوں کے لیے قتل کر ڈالتے ہیں۔" اُس نے ایک بے ہنگم قہقہہ لگایا۔

ریوالور خاموشی کے ساتھ میری جیب سے نکلا۔ دوسرے ہی لمحے کوٹھری کے سنگلاخ در و دیوار دھماکے سے لرز کر رہ گئے۔ ٹریگن سینہ پکڑے ہوئے زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ دل میں اُتری ہوئی ایک ہی گولی اُس کے لیے کافی تھی۔

میں نے فرالے کی چیخ سُنی، وہ دوڑا دوڑا میرے قریب آیا۔ میں نے ریوالور اُس کے حوالے کر دیا۔ "یہ آپ نے.... آپ نے کیا کیا سر؟" وہ گلوگیر لہجے میں بولا۔ "آخر ٹریگن نے آپ سے کیا کہہ دیا تھا؟"

"میں نے اُسے اُس کے کیے یا کہے کی سزا نہیں دی ہے فرالے۔" میرے منہ سے تھکی تھکی آواز نکلی۔ "میں تو صرف یہاں رہنا چاہتا ہوں۔ یہی چار دیواری میرا گھر ہے۔ میں بھلا یہاں سے کہاں جاتا؟"